جناب عبدالسلام صدیقی صاحب
ریسرچ اسکالر شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ایک شخصیت

نسب اور خاندان :- مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے آباؤاجداد "مانے" علاقہ شیخوپورہ ضلع مونگیر کے سادات میں سے تھے ۔ یہاں سادات کی بارہ بستیاں ہیں جن کو بارہ گانواں کہا جاتا ہے ۔ یہ سادات حضرت جاجنیریؒ کی اولاد ہیں جو بغداد سے ہندوستان آئے اور حکومت دہلی نے ان کی برگزیدہ شخصیت کے پیش نظر علاقہ لکھی سرائے کے ضلع مونگیر کے ایک گاؤں ندیانواں میں خانقاہ کیلئے انہیں جگہ دی اور اردگرد چند مواضعات بھی جاگیر کے طور پر عطا کیے ۔ حضرت کی تبلیغی مہم اس علاقہ میں نہایت کامیاب رہی ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کافی اولاد بھی دی اور بارہ گانواں میں انکی نسل کے لوگ ابتک آباد ہیں ۔ اسی بارہ گانواں میں "مانے" بھی واقع ہے ۔ مولانا گیلانیؒ کا خاندانی نسب نامہ اس طرح ہے ۔ مناظر احسنؒ ولد حافظ ابوالخیر ولد محمد احسن ولد میر شجاعت علی ولد میر شفاعت علی ، میر شفاعت علی تک یہ خاندان "مانے" میں مقیم رہا ۔ پیشہ کاشتکاری اور زمینداری تھا ۔ ایران کے خطہ گیلان سے ایک بزرگ سید ندیم الدین گیلانی اپنے صاحبزادہ سید شہاب الدین گیلانی اور فرزند زادہ سید منہاج الدین گیلانی کے ہمراہ دہلی تشریف لائے ۔ سیدندیم الدین دہلی میں مدفون ہیں ۔ سید شہاب الدین دہلی میں سید شرف الدین یحیٰ منیری کی عظمت کا چرچا سن کر اپنے صاحبزادہ منہاج الدین کے ہمراہ بہارشریف لائے اور وہیں مدفون ہیں ۔ بہارشریف موضع گیلانی سے پچھم واقع ہے ۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد سیدمنہاج الدین کا دل وہاں سے اچاٹ ہوگیا ۔ اکثر قرب وجوار میں سیروسیاحت کیلئے نکل جایا کرتے ۔ ایک مرتبہ جب وہ گونبدپور پہونچے تو یہ جگہ ان کو بہت پسند آئی اور اپنے اہل وعیال کیساتھ یہیں منتقل ہوگئے ۔ اس بستی کا نام انہوں نے سیدنا عبدالقادر گیلانی کے نام نامی سے سعادت اور برکت حاصل کرنے کیلئے محی الدین پور گیلانی رکھا اور آج تک یہ تاریخی گاؤں گیلانی کے نام سے معروف ہے ۔ جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے شفاعت علی تک یہ خاندان "مانے" میں رہا ۔ ان کے صاحبزادے شجاعت علی کی دوسری شادی پہلی بیوی کی وفات کے بعد گیلانی میں بی بی حیاتن سے ہوئی اور اس کے بعد میر شجاعت علی مانے سے گیلانی منتقل ہوگئے ۔ ان کی

دوسری بیوی سے ۲ لڑکے تولد ہوئے ، مولانا محمد احسن اور مولوی محمد محسن ۔ مولانا محمد احسن کی شادی گیلانی میں بی بی آمنہ بنت امام بخش ولد یتیم اللہ ولد میر مقیم سے ہوئی تھی ۔ مولانا احسن کو ۳ لڑکے ہوئے ۔ سید ابوظفر ، سیدابونصر اور سید ابوالخیر ۔ سید ابوظفر کی جوانی میں موت ہوگئی ۔ سید ابونصر جو حافظ ، عالم اور حکیم تھے ، لاولد مرے ۔ حافظ سیدابوالخیر کے ۳ لڑکے جن میں ایک مولانا گیلانی اور ۲ ان سے چھوٹے ایک کا نام مکارم احسن اور دوسرے کا نام مظہراحسن تھا ۔ اس کے علاوہ تین لڑکیاں تھیں ۔ بی بی ام ہانی ، بی بی صفیہ اور بی بی باجرہ ۔ بی بی ام ہانی کی شادی مظاہرحسن ساکن موضع کٹنی کول سے ہوئی ۔ بی بی صفیہ کی شادی مولانا لطف اللہ (برادر بزرگ مولانا منت اللہ رحمانیؒ) اور بی بی باجرہ کی شادی گیلانی ہی میں مولانا عبدالعزیز سے ہوئی جو اپنے وقت کے ایک برگزیدہ قاری اور شاعر تھے ۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت :۔ مولانا گیلانی ۱۸۹۲ء میں اپنے ننھال موضع استھانواں ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے ۔ تاریخی نام مناظر احسن ہے ۔ آپ کے چچا مولوی ابونصر صاحب نے آپکی تعلیم وتربیت صغرسنی ہی سے اپنے ذمہ لےلی تھی ، اگرچہ اس وقت انگریزی تعلیم کا چرچا عام تھا ، لیکن چچا نے خاندانی روایت کے مطابق انہیں اسکول اور کالج کی تعلیم سے دور رکھا ۔ مولوی ابونصر خود حکیم اور عالم تھے اور منطق وفلسفہ میں اپنے والد مولانا محمد احسن کے نقش قدم پر گامزن تھے ۔ اس وقت گیلانی میں مولانا احسن کا مدرسہ ہندوستان میں کافی مشہور تھا ۔ مولانا ابونصرصاحب نے اپنے بھتیجے کو گیلانی ہی میں رکھکر عربی ، فارسی ، منطق وفلسفہ اور حدیث کی تعلیم دلوائی ۔ مولانا گیلانی چونکہ لڑکپن ہی سے بہت ذہین تھے ، اس لئے مولوی ابونصر کی آرزو تھی کہ ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی جائے ۔ خوش قسمتی سے اس وقت مولانا احسن کے ایک شاگرد حکیم دائم علی صاحب ریاست ٹونک میں سرکاری طبیب تھے اور انہوں نے منطق وفلسفہ کیلئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا ۔ ان کے فرزند ارجمند حکیم برکات احمد سے مدرسہ کو بڑی ترقی ہوئی ۔ شاید منطق وفلسفہ میں اس وقت ہندوستان میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا ۔ مولانا گیلانی کی تعلیم کے سلسلہ میں مولوی ابونصرصاحب کی نظر مولانا حکیم برکات احمد صاحب پر پڑی اور اپنے بھتیجے کو مولانا برکات احمد صاحب کے پاس راجپوتانہ کی دور دراز ریاست ٹونک میں چھوڑ آئے ۔ اس وقت مولانا گیلانی کی عمر ۱۳ سال کی تھی ، تقریباً ۷ سال تک ٹونک میں تعلیم پاتے رہے ۔ ٹونک میں طالب علمی کے دوران علامہ انورشاہ کاشمیری اور شیخ الہند مولانا محمودالحسن دیوبندی کی علمی شہرت کا چرچا سن کر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کا

خیال پیدا ہوا اور گیلانی آکر اپنے چچا سے مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے دیوبند جانے کی اجازت مانگی۔ مولوی ابونصر صاحب نے مسلکی اختلاف کے باوجود اپنے بھتیجے کو دارالعلوم دیوبند جانے کی اجازت دیدی۔ مولانا گیلانی نے دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث میں داخلہ لیا اور سالانہ امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کرکے عیسری پوزیشن حاصل کی۔ لکھنے پڑھنے کی عادت تو ٹونک سے ہی تھی، بھلا یہاں کیسے خالی بیٹھ سکتے تھے، چنانچہ شیخ الہندؒ نے مولانا کی صلاحیت کو بھانپ لیا اور "القاسم" و "الرشید" میں مضامین لکھنے کیلئے کہا۔ بس پھر کیا تھا تحریر کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ بسااوقات دونوں پرچوں میں صرف مولانا ہی کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی دوران مولانا گیلانی کی ۲ کتاب "ابوذر غفاریؓ" اور "کائنات روحانی" چھپ کر علمی دنیا میں داد تحسین حاصل کرچکی تھی۔

دیوبند سے فراغت کے بعد :- دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے وطن لوٹ آئے۔ یہاں آکر مولانا کو حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے زیرسایہ اپنا ایک رسالہ مونگیر سے جاری کرنیکا خیال آیا اور اس کوشش میں لگے رہے، لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اس کا کوئی نظم نہ ہوسکا اور مولانا کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ اس دوران مولانا محمد علیؒ کی صحبت میں روحانی فیض حاصل کرتے رہے اور مولانا کے ارشاد سے اکثر بھاگلپور اور دربھنگہ وغیرہ جاکر وعظ اور تبلیغ کے فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ جب مونگیر میں ایک سال کے قیام کے بعد بھی پرچہ جاری کرنیکا کوئی نظم نہ ہوسکا تو مولانا نے اپنے حالات لکھ کر دیوبند بھیجے۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب نے جو اس وقت کارپرداز مہتمم تھے فوراً جواب دیا اور فی الفور دیوبند واپس آنے کا مشورہ دیا اور لکھا کہ القاسم اور الرشید کی ادارت پھر انہیں کے سپرد کی جائیگی اور تیس روپے ماہوار تنخواہ انہیں دی جائیگی، چنانچہ مولانا مونگیر سے دیوبند چلے گئے۔

توہین رسالت کا حادثہ اور کلکتہ کو روانگی :- ابھی دیوبند میں چند ہی مہینے ہوئے تھے کہ کلکتہ کے اخبار "انڈین ڈیلی نیوز" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک گستاخانہ مضمون شائع ہوگیا جس سے مسلمانان کلکتہ سخت برھم ہوگئے۔ پورے شہر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ حکومت نے بھی سخت رویہ اختیار کرلیا اور مسلمان دھڑادھڑ گرفتار ہونے لگے۔ حکومت نے جو سوچا تھا نتیجہ اس کے بالکل برعکس ہوا اور یہ تحریک دوسرے شہروں میں بھی پھیلنے لگی۔ کلکتہ کے مسلمانوں نے بذریعہ تار علماء دیوبند کو اس طرف متوجہ کیا۔ وہاں سے متعدد علماء کا ایک وفد کلکتہ کیلئے چل پڑا ان میں مولانا گیلانی بھی تھے۔ اس درمیان حکومت کا رویہ اور بھی سخت ہوگیا۔ ایک مسجد کے

نزدیک مجمعے پر گولی چلادی گئی، جس سے کئی مسلمان شہید ہوگئے۔ ان حالات کے مدنظر کلکتہ کے مسلمانوں نے آنے والے علماء دیوبند کو تار دیکر آنے سے روک دیا۔ یہ تار ان حضرات کو ٹرین ہی میں بمقام الہ آباد ملا۔ کچھ علماء کرام نے دیوبند واپسی کا فیصلہ کرلیا اور واپس ہوگئے۔ مولانا گیلانی جوانی کے جوش میں اڑگئے کہ اب تو جہاد اور قربانی کیلئے کلکتہ جانا ضروری ہے۔ مولانا کے عزیزوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ دیوبند سے علماء کس ٹرین سے کلکتہ جانے والے تھے، پٹنہ جنکشن پر ان لوگوں نے مولانا کو کلکتہ جانے سے بہت روکا، لیکن مولانا کسی طرح سے نہ مانے۔ کلکتہ پہونچکر جیسے ہی مولانا نے پرجوش تقریر کی اور فتویٰ دیا حکومت نے ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کردیا۔ لیکن مخلصوں نے ان کو ایک کمرے میں بند کردیا، چونکہ پٹنہ کے راستے دیوبند جانیکی صورت گرفتار ہونا یقینی تھا اس لیے مولانا کے دوستوں نے ان کو دو ہفتے کے بعد اس پر راضی کیا کہ وہ مدارس میل سے حیدرآباد ہوتے ہوئے پونا اور بمبئی کی راہ سے دیوبند جائیں۔

مولانا گیلانی حیدر آباد میں:- جس روز مولانا کی گاڑی حیدرآباد سے گذر رہی تھی وہ عید کا دن تھا اس لیے مولانا حیدرآباد میں ہی اتر پڑے اور اپنے عزیز سید محی الدین صاحب بیرسٹر کے یہاں مقیم ہوئے۔ محی الدین صاحب کے یہاں ہندوستان کے مشہور ومعروف مفسر قرآن مولانا فیدالدین صاحب فراہی پرنسپل مدرسہ نظامیہ حیدرآباد کی آمدورفت تھی، اس طرح مولانا گیلانی کی ملاقات علامہ فراہی سے ہوئی، جنہوں نے چند ہی ملاقاتوں میں ان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متاثر ہوکر یہ فیصلہ کرلیا کہ انہیں حیدرآباد ہی میں روک لیا جائے۔ اس زمانہ میں مولانا فراہی عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کیلئے ایک عظیم منصوبہ تیار کررہے تھے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مدرسہ نظامیہ کو عثمانیہ یونیورسٹی میں ضم کردیا جائے اور اساتذہ مدرسہ نظامیہ کی ملازمت اسی یونیورسٹی سے وابستہ کردی جائے۔ علامہ فراہی یہ منصوبہ نواب حبیب الرحمان خان شیروانی، سراکبر حیدری فنانس منسٹر اور سرراس مسعود ڈائریکٹر تعلیمات کے مشورہ سے تیار کررہے تھے۔ علامہ فراہی نے مولانا گیلانی کو یہ کہہ کر روک لینا چاہا کہ یونیورسٹی جلد کھلنے والی ہے اور وہ انہیں اس یونیورسٹی میں کسی اچھے عہدے پر تعلیمات دینیات کیلئے ملازمت دلوادیں گے۔ مولانا گیلانی نے جواب دیا کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے ملازم تھے اور سرراہے وہاں آگئے تھے۔ ذمہ داران دارالعلوم کی اجازت کے بغیر وہ کسی دوسری جگہ کی ملازمت قبول نہیں کرسکتے، البتہ وہاں کی اجازت کے بعد قبول کرسکتے ہیں اور اس کیلئے دیوبند خط لکھ سکتے ہیں، چنانچہ مولانا نے دیوبند خط لکھا۔ وہاں سے جواب ملا کہ انہیں ضرور حیدرآباد رک جانا چاہیئے، اس وقت اس کی سخت ضرورت تھی کہ دیوبند کا کوئی نمائندہ اس نئی یونیورسٹی سے منسلک ہوجائے، چنانچہ مولانا گیلانی نے قیام حیدرآباد کا فیصلہ کرلیا۔ چونکہ یونیورسٹی

کھانے میں ابھی دیر تھی اس لیے مولانا گیلانی سید محی الدین صاحب کو درس قرآن دیتے رہے اور خود علامہ فراہی سے تفسیر قرآن پڑھتے رہے۔ اس طرح پورا ایک سال گذر گیا لیکن یونیورسٹی کے قیام میں ہنوز دیر تھی مجبوراً مولانا گیلانی ملازمت کی درخواست وہاں چھوڑ کر اپنے وطن گیلانی لوٹ آئے۔ کچھ دنوں بعد جب عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہوگئی تو گیلانی ہی میں مولانا کو تقررنامہ ملا اور اس طرح مولانا گیلانی عثمانیہ یونیورسٹی میں دینیات کے لکچرر ہوگئے اور تقریباً ۲۸ سال تک تدریسی فرائض انجام دیتے ہوئے صدر شعبہ ہوکر سبکدوش ہوئے۔

بیماری اور وفات :- مولانا گیلانی دل کے مریض تھے اور یہ مرض حیدرآباد کے آخری دور میں ناقابل برداشت ہوگیا تھا، بالآخر ملازمت کے مقررہ مدت سے ایک سال قبل ہی مستعفی ہوکر حیدرآباد سے اپنے وطن گیلانی چلے آئے۔ ۱۵ جون ۱۹۸۶ء کی شب کو سوانح قاسمی کی تیسری جلد کے آخری باب کو مکمل کرکے بستر خواب پر دراز ہوئے۔ اپنے بھانجے روح اللہ سے فانی کی مشہور غزل

کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

ترنم سے پڑھکر سنانے کی فرمائش کی۔ پھر مولانا کو نیند آگئی۔ صبح جب ان کے چھوٹے بھائی مکارم احسن نے جو پاس ہی لیٹے تھے اپنے محبوب بھائی کو جگانا چاہا تو خود اپنی غفلت پر سرپیٹ کر رہ گئے۔ مولانا اکثر فرماتے تھے کہ کسی جنت میں جانے والے پر بڑھاپا نہ طاری ہوگا ہر شخص جوان صورت بن کر جائیگا۔ صبح کے وقت جب ان کی روح پرواز کرچکی تھی تو چہرہ تروتازہ تھا، دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کوئی پچاس سالہ جوان بستر پر دراز تھا، اس منظر نے ہر شریک جنازہ کو محو حیرت بنا دیا تھا۔ مولانا گیلانی کی وصیت کے مطابق جنازہ کی نماز مولانا فصیح (مرحوم) نے پڑھائی۔ مولانا گیلانی کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ۵ جون کو مولانا فصیح دربھنگہ میں تھے کہ اس روز ان کو مولانا گیلانی سے ملنے کی اتنی شدید خواہش ہوئی کہ وہ بغیر کسی پروگرام کے دربھنگہ سے گیلانی روانہ ہوگئے اور دوسرے روز گیلانی پہونچے تو مولانا مرحوم کی تجہیز وتکفین کے انتظامات ہورہے تھے۔ اس طرح مولانا گیلانی کی وصیت پوری ہوئی۔

نکاح، شادی اور اولاد :- مولانا گیلانی کی شادی اپنی ہی بستی کے ایک بزرگ داروغہ سید محمد نظیر صاحب کی صاحبزادی آمنہ خاتون سے ۱۹۱۴ء میں ہوئی تھی۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے متعدد اولاد عطا فرمائی۔ لیکن اکثر نے صغرسنی ہی میں داغ مفارقت دیا۔ صرف ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی کو اللہ نے عمر عطا فرمائی۔ صاحبزادے کا نام سید محی الدین تھا، ایم اے کرنے کے بعد بہار ہی میں سب ڈپٹی کے عہدے پر فائز رہے، پھر قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان چلے گئے اور وہاں

پی ایس میں انکا انتخاب ہوگیا، لیکن عمر نے وفا نہ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں مشرقی پاکستان میں انقلاب عظیم رونما ہونیکے بعد مغربی پاکستان منتقل ہوگئے۔ ۱۹۷۰ء میں دل کا دورہ پڑا اور اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ مولانا کی لڑکی کی شادی انکے چھوٹے بھائی مکارم احسن صاحب گیلانی (مرحوم) کے بڑے لڑکے سید صلاح الدین سے ہوئی تھی۔ یہ خاندان ابتک گیلانی میں قیام پذیر ہے۔

اخلاق و اوصاف :- مولانا کی زندگی بے مثال تھی۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں قریب ۲۸ سال تک دینیات کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے۔ اس حیثیت سے بڑی معقول تنخواہ پاتے رہے لیکن مولانا نے اپنے پاس روزمرہ خرچ کیلئے بھی کبھی ایک پیسہ نہیں رکھا۔ قیام حیدرآباد میں بال بچوں کو اتفاقاً ہی کبھی اپنے ساتھ رکھتے، بلکہ مولانا کا محبوب ملازم "لکوا" ہی اکثر مولانا کے ساتھ رہا۔ بیوی، بچوں، رشتہ داروں، عزیزوں اور غریبوں پر خرچ کرنیکے بعد جو کچھ بچتا لکوا کے حوالہ کردیتے اور لکوا جو کچھ حاضر کردیتا مولانا خاموشی کیساتھ اسے کھالیتے۔ ضرورت مند کچھ مانگتا تو حتیٰ الوسع اسے مایوس نہیں کرتے جو کچھ ہوتا ضرور دیتے، لیکن دینے کے بعد جو واپس نہیں کرتا اس سے منہ کھول کر طلب بھی نہیں کرتے کہ تم نے اتنی رقم قرض لی تھی اب تک واپس نہیں کی۔ یہاں تک کہ خود اپنے پاس رقم نہیں ہوتی اور ضرورت مند کہتا کہ فلاں سے لیکر دے دیجئے تو مولانا ایسا بھی کرتے کہ خود قرض لیکر دوسروں کو قرض کے نام پر دیتے اور لینے والے سے طلب کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے۔ اگر خود کوئی دے گیا تو بہتر ورنہ خود برداشت کرتے۔ صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے درست لکھا ہے :- ان کی سادگی دیکھ کر ان کے علم کی گہرائی کا یقین نہ آتا تھا اور اس گہرائی کو دیکھ کر ان کی سادگی پر تعجب ہوتا تھا، ان کی کُل کائنات ایک چارپائی تھی۔ اس پر قلم دوات رکھ لیتے اور علم وفن کا خزانہ لٹاتے رہتے۔ چارپائی کے بغل میں دو تخت تھے ان پر معمولی فرش اور اس کے اوپر ایک قالین تھا، قالین اور فرش کے درمیان ان کا دفتر تھا ان کے سارے کاغذات اور خطوط قالین کے نیچے پڑے رہتے تھے۔ کمرے میں چار بڑی الماریاں تھیں جن میں منتخب کتابیں تھیں یہی ان کا آفس اور کتب خانہ سب کچھ تھا۔ لکھتے لکھتے جب تکان محسوس کرتے تو چارپائی کے نیچے ہاتھ بڑھاکر ٹین کا ایک معمولی سا ڈبہ گھسیٹتے اس میں مٹی کے تین کلہڑوں میں کتھا، چونا اور ڈلی تھی اور کپڑے کے ایک ٹکڑے میں کچھ پان لپیٹے ہوتے۔ یہ پان دان انکی ساری زمینداری، کھیتی، باغ اور گراں قدر تنخواہ کا حاصل تھا، جس کے وہ بلاشرکت غیرے مالک تھے، بقیہ کسی چیز سے انکو کوئی سروکار نہ تھا۔ اس ڈبہ سے پان کی گلوری بناتے اور اس کو کھاکر تازہ دم ہوجاتے اور ان کا نہ تھکنے والا قلم پوری تیزی کیساتھ رواں ہوجاتا۔ (معارف اپریل ۱۹۵۷ء)

مولانا بیک وقت عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے مقبول ترین استاذ بھی تھے اور واعظ شہر

بھی متعدد کتابوں کے مؤلف ومصنف بھی تھے اور بہت سارے اخبار ورسائل کے مقالہ نگار اور مضمون نگار بھی ۔ شعروشاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے اور مجلس گفتگو کا سلیقہ بھی ، جامعہ مسجد (حیدرآباد) میں جمعہ کی امامت بھی فرماتے تھے اور روزانہ درس قرآن کا مشغلہ بھی تھا ، اس نسبت کی وجہ سے مولانا کا ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنا جلنا تھا اور ان سے راہ رسم اور تعلقات بھی تھے ۔ مولانا عبدالباری ندوی تحریر فرماتے ہیں :۔ مولانا کا دائرہ تعلقات صرف یونیورسٹی تک محدود نہ تھا ۔ پورے حیدرآباد کے عوام وخواص ، علماء ومشائخ ، وزرا ، افسروں ، ماتحتوں ، بڑے چھوٹے ، تاجروں ، دکانداروں ، ہر طبقہ تک پھیلا ہوا تھا اس کے باوجود شاید ایک مثال بھی کوئی بتاسکے کہ کسی طبقہ کا ایک فرد بھی مولانا سے ناراض رہا ، ناراض کیا سب ہی بڑی عزت ومحبت کرتے تھے ۔ (مکاتب گیلانی صفحہ نمبر ۲۵) ۔ مولانا گیلانی ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے ۔ عالموں کے گھرانے میں پیدا ہوئے ، انہی کی گودوں میں پرورش پائی اور اسی ماحول میں نشونما ہوئی ۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو ابتدا تا جوانی مدارس دینیہ اور تعلیمی درس گاہوں میں زندگی گذاری اور ارباب فضل وکمال اور شیفتگان کتاب ونست کی صحبت میں دن رات رہنا ہوا اور بعد فراغت تعلیم معلم اخلاق بن کر نوجوانوں کے سامنے آئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاق واعمال میں پاکیزگی عقائد ومعاملات میں پختگی و صفائی اور نشست وبرخاست میں متانت وسنجیدگی مولانا کے حصے میں پورے طور پر آئی ۔ ذہن وفکر اور حوصلہ وولولہ کی بلندی قدرت نے پوری فیاضی کیساتھ عطا کررکھی گی ۔ درشت مزاجی اور تندخوئی سے کوسوں دور تھے بلکہ اس کی جگہ رفق وملاطفت اور ہمدردی و رواداری ، فطرت میں داخل تھی ۔ مولانا گیلانی نے اپنے پیچھے کتابوں ، مقالوں ، مضامین اور مکاتیب کا بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے جن میں چند مشہور تصانیف ونگارشات یہ ہیں : (۱) حضرت ابوذر غفاریؓ (۲) سوانح قاسمی (۳) تدوین حدیث (۴) تدوین قرآن (۵) تدوین فقہ (۶) الدین القیم (۷) النبی الخاتم (۸) مقالات احسانی (۹) تذکرہ شاہ ولی اللہ (۱۰) ہزار سال پہلے (۱۱) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت (۱۲) مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ (۱۳) امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی (۱۴) اسلامی معاشیات (۱۵) اسلامی اشتراکیت (۱۶) اسلام اور ہندومت کی بعض مشترک تعلیمات (۱۷) اسفار اربعہ (۱۸) عبقات (۱۹) تذکیر بسورۃ الکہف (۲۰) ظہور نورؐ (۲۱) ایک ہندوستانی صحابی (۲۲) بابا رتن ھندی (۲۳) کائنات روحانی (۲۴) اطلاقی تصوف (۲۵) دربار نبوی کی حاضری (۲۶) مسئلہ سود (۲۷) روزہ اور قرآن (۲۸) حضرت اویس قرنی وغیرہ ، اس کے علاوہ بھی بہت سے مقالات ومکاتیب غیر مطبوعہ ہیں جس کی طرف اہل علم کی توجہ درکار ہے ۔ ❁❁